ISSN 1992-5018

ISLAMABAD LAW REVIEW

Quarterly Research Journal of Faculty of Shariah& Law, International Islamic University, Islamabad

Volume 4, Number 1&2, Spring/Summer 2020

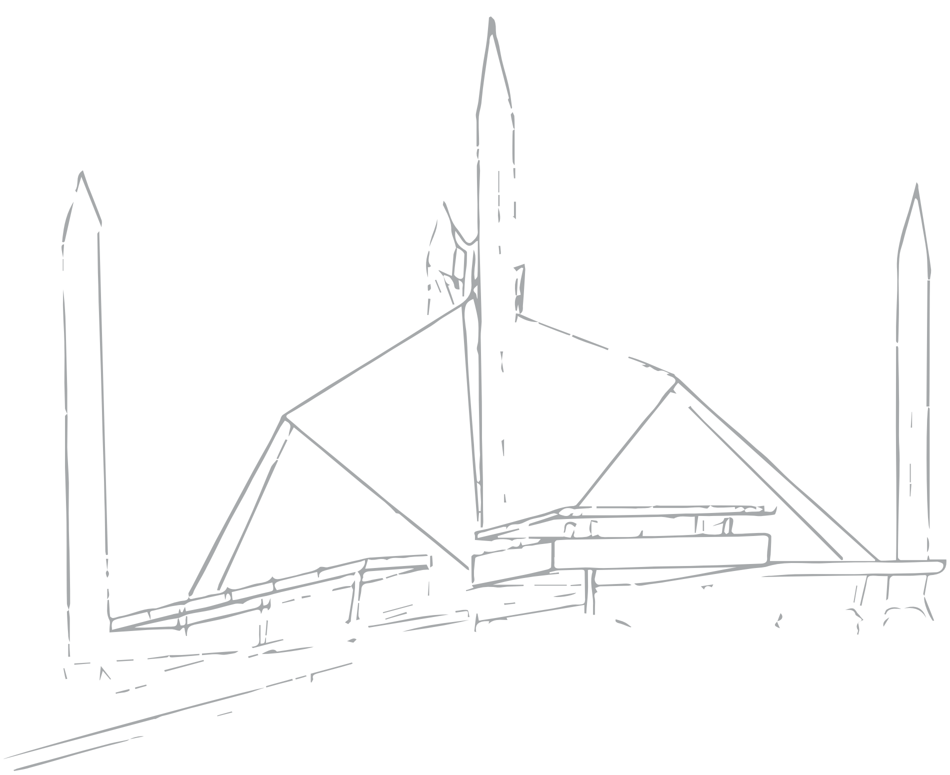

وڈیو سکینڈل کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ

محمد مشتاق احمد*

قانون کے شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے اس فیصلے کی اہمیت کئی پہلوؤں سے زیادہ ہے۔ اس لیے سلسلے میں مختصر نکات پیشِ خدمت ہیں۔ سپریم کورٹ نے اس کیس میں پانچ تنقیح طلب امور متعین کیے ہیں اور پھر ان پر الگ الگ فیصلہ دیا ہے:

۱. میاں محمد نواز شریف صاحب کے مقدمے کے تناظر میں کون سی عدالت اس وڈیو کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ میاں صاحب کے خلاف فیصلہ قانوناً درست تھا یا نہیں؟
۲. اس وڈیو کو بطورِ "ثبوت" مستند مان لینے کی شرائط کیا ہیں؟
۳. بطورِ ثبوت مستند مان لیے جانے کے بعد اس وڈیو کو عدالت میں کیسے ثابت کیا جائے گا؟
۴. بطورِ ثبوت مستند مان لیے جانے اور عدالت میں ثابت کیے جانے کے بعد اس وڈیو کا میاں صاحب کے خلاف فیصلے پر کیا اثر پڑتا ہے؟
۵. فاضل جج جناب محمد ارشد ملک کا اس سارے معاملے میں کردار۔

پہلا امر: وڈیو کے متعلق فیصلہ کرنے کی مجاز عدالت کون سی ہے؟

سپریم کورٹ نے تصریح کی ہے کہ "اس معاملے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں" کہ اس وقت اسلام آباد ہائی کورٹ ہی وہ عدالت ہے جو شواہد کی بنا پر میاں صاحب کی سزا برقرار رکھنے، اس میں تبدیلی کرنے یا اسے ختم کرنے کی مجاز ہے اور یہ کہ انکوائری کمیشن یا کمیٹی حکومت نے بنائی ہو یا اس عدالت نے، وہ اس معاملے میں صرف رائے دے سکتی ہے، فیصلہ نہیں۔ عدالت نے مزید یہ قرار دیا ہے کہ متعلقہ وڈیو میاں صاحب کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک یہ تین کام نہ ہوں کہ:

اً. اسے باقاعدہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے سامنے زیر التوا اپیل میں پیش کیا جائے؛
ب. اس کا مستند ہونا ثابت کیا جائے؛ اور
ج. پھر قانون کے مطابق اسے عدالت میں ثابت کیا جائے۔

---

* ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قانون، کلیہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
mushtaqahmad@iiu.edu.pk

دوسرا امر: کیسے معلوم ہو گا کہ وڈیو مستند ہے؟

اس کا سادہ جواب سپریم کورٹ نے یہ دیا کہ فارنسک تجزیے کے بغیر اسے مستند ماننا ممکن نہیں ہے اور آڈیو یا وڈیو ٹیپس کے متعلق کسی حقیقی شبے کی موجودگی میں اسے قابلِ اعتماد نہیں مانا جاسکے گا۔

تیسرا امر: وڈیو مستند ہو تو اسے عدالت میں کیسے ثابت کیا جائے گا؟

میرے نزدیک اس فیصلے کا یہ حصہ سب سے اہم ہے اور نہ صرف موجودہ کیس کے تناظر میں، بلکہ بالعموم آڈیو /وڈیو ٹیپس کے متعلق قانونی اصولوں کی وضاحت کے لیے اس حصے کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔ سپریم کورٹ نے بہت سارے کیسز کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ اصول طے کیے ہیں:

۱. کسی آڈیو/وڈیو ٹیپ پر اس وقت تک عدالت اعتماد نہیں کر سکتی جب تک پہلے یہ ثابت نہ ہو کہ وہ مستند ہے اور اس میں کوئی ڈاکٹرنگ یا ٹیمپرنگ نہیں کی گئی؛
۲. اس ضمن میں پنجاب فارنسک سائنس ایجنسی کی فارنسک رپورٹ کو عدالت کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے؛
۳. قانونِ شہادت کی دفعہ ۱۶۴ کے تحت ایسی کسی آڈیو یا وڈیو ٹیپ کے پیش کیے جانے یا نہ کیے جانے کا اختیار متعلقہ عدالت کے پاس ہے؛
۴. عدالت کی جانب سے اجازت دیے جاچکنے کے بعد متعلقہ آڈیو یا وڈیو کو قانونِ شہادت کے اصول و ضوابط کے مطابق ہی عدالت میں پیش کیا جائے گا؛
۵. ریکارڈنگ کا صحیح ہونا لازماً ثابت کیا جائے گا اور ٹیمپرنگ کے امکانات کی نفی کے لیے براہِ راست یا واقعاتی شہادتیں پیش کی جانی ضروری ہیں؛
۶. کسی گفتگو یا واقعے کی ریکارڈنگ ہوئی تو اصلی ریکارڈنگ، جب گفتگو ہوئی یا واقعہ ہوا، پیش کرنا ضروری ہے؛
۷. جس شخص نے ریکارڈنگ کی ہے، اس کا پیش کیا جانا ضروری ہے؛
۸. ضروری ہے کہ جس شخص نے ریکارڈنگ کی ہے، وہ خود ریکارڈنگ کی آڈیو/وڈیو ٹیپ پیش کرے؛
۹. آڈیو/وڈیو ٹیپ کا عدالت میں چلانا ضروری ہو گا؛
۱۰. آڈیو/وڈیو ٹیپ کا واضح طور پر قابلِ سماعت / قابلِ رویت ہونا ضروری ہو گا؛

۱۱.	ضروری ہو گا کہ بات کرنے والے شخص/ دیکھے جانے والے شخص کو ریکارڈنگ کرنے والا خود پہچانے یا کوئی اور شخص جو اسے پہچانتا ہو، اس کی گواہی دے؛

۱۲.	موقع پر موجود کوئی اور شخص بھی گفتگو/ واقعے کے متعلق گواہی دے سکتا ہے؛

۱۳.	جو آوازیں ریکارڈ کی گئیں، یا جو اشخاص نظر آئے، ان کی صحیح پہچان لازمی ہو گی؛

۱۴.	آڈیو/ وڈیو کے ذریعے جو ثبوت پیش کیا جا رہا ہو، اس کے متعلق ضروری ہو گا کہ وہ مقدمے سے متعلق ہو، یا کسی اور سبب سے مقدمے میں پیش کیے جانے کی قانوناً اجازت ہو؛

۱۵.	ریکارڈنگ سے لے کر عدالت میں پیش کیے جانے تک ریکارڈنگ کی حفاظت ثابت کرنی ہو گی؛

۱۶.	آڈیو/ وڈیو ریکارڈنگ کا ٹرانسکرپٹ خود مختار نگرانی اور کنٹرول میں تیار کیا جائے گا؛

۱۷.	آڈیو/ وڈیو ریکارڈ کرنے والا شخص وہ ہو گا جس کے روزمرہ کے فرائض میں آڈیو/ وڈیو ریکارڈ کرنا شامل ہو اور وہ ایسا شخص نہیں ہو گا جس نے ثبوت حاصل کرنے کے لیے جال بچھانے کی غرض سے آڈیو/ وڈیو ریکارڈنگ کی ہو؛

۱۸.	آڈیو/ وڈیو کا ماخذ ظاہر کرنا لازم ہو گا؛

۱۹.	جو شخص آڈیو/ وڈیو ریکارڈنگ عدالت میں پیش کر رہا ہو، اس پر لازم ہو گا کہ وہ ریکارڈنگ کی تاریخ ظاہر کرے؛

۲۰.	عدالتی کارروائی میں نسبتاً تاخیر سے پیش کی جانے والی آڈیو/ وڈیو ٹیپ کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا؛

۲۱.	عدالت میں آڈیو/ وڈیو ٹیپ کو بطورِ ثبوت پیش کرنے والے شخص پر لازم ہو گا کہ وہ عدالت کو اس ضمن میں باقاعدہ درخواست دے۔

ان اصولوں کے طے کیے جانے کے بعد سپریم کورٹ نے اس مقدمے کے تناظر میں قرار دیا ہے کہ چونکہ ٹرائل کورٹ فیصلہ دے چکنے کے بعد قانوناً اپنے فریضے سے سبکدوش ہو چکی ہے، اور اس فیصلے کے خلاف اپیل اسلام آباد ہائی کورٹ میں زیرِ التوا ہے، اس لیے متعلقہ وڈیو کے بارے میں ان اصولوں کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا اختیار اسلام آباد ہائی کورٹ ہی کے پاس ہے۔ یہاں سپریم کورٹ نے مجموعۂ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۴۲۸ کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے اپیلیٹ کورٹ کو اختیار ہے کہ وہ اضافی شواہد بھی لے سکتی ہے۔

چوتھا امر: بطورِ ثبوت مستند مان لیے جانے اور عدالت میں ثابت کیے جانے کے بعد اس ویڈیو کا میاں صاحب کے خلاف فیصلے پر اثر

اگر مذکورہ اصولوں پر ویڈیو مستند ثابت ہو جائے اور اسلام آباد ہائی کورٹ کے سامنے ثابت بھی کی جائے تو اسلام آباد ہائی کورٹ نے یہ دیکھنا ہو گا کہ اس مستند اور ثابت شدہ ویڈیو میں جج کا جو کردار دکھایا گیا، کیا وہ فیصلے پر اثرانداز ہوا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد وہ قانون کے مطابق جیسے مناسب سمجھے فیصلہ کر سکتی ہے اور اس سلسلے میں اسے اختیار ہے کہ خود شواہد کا جائزہ لے کر میرٹ پر فیصلہ کرے یا مقدمہ واپس ماتحت عدالت میں بھیج دے کہ وہاں از سرِ نو پورا مقدمہ چلایا جائے۔ سپریم کورٹ اس اصولی موقف سے آگے مزید تفصیل میں نہیں گئی تاکہ وہ اس معاملے میں قانون کے مطابق فیصلہ کرنے میں اسلام آباد ہائی کورٹ پر اثرانداز نہ ہو۔

پانچواں امر: فاضل جج جناب محمد ارشد ملک کا اس سارے معاملے میں کردار

سپریم کورٹ نے صراحتاً قرار دیا ہے کہ فاضل جج کی جانب سے ۷ جولائی کو جاری کی جانے والی پریس ریلیز اور ۱۱ جولائی کو جاری کیا جانے والا بیانِ حلفی خود اس کے خلاف باقاعدہ چارج شیٹ ہیں۔ ان دستاویزات سے جو کردار ابھر کر سامنے آتا ہے وہ پوری عدلیہ کے لیے بدنامی کا باعث ہے۔ وہ اعتراف کر چکے ہیں کہ :

۱. ان کا ماضی داغ دار تھا جس کی بنا پر اسے بلیک میل کیا جا سکتا تھا؛
۲. مقدمات کے دوران میں وہ ان لوگوں سے ملتے رہے جو ان مقدمات کے ملزموں کے ہمدرد تھے؛
۳. انھیں دھمکیاں دی گئیں اور لالچ بھی دیے گئے لیکن انھوں نے اپنے حکامِ بالا کو نہیں بتایا نہ ہی خود کو مقدمات سے علیحدہ کرنا پسند کیا؛
۴. سزا سنا چکنے کے بعد وہ سزا یافتہ شخص سے ایک اور شہر میں اس کے گھر پر ملے؛
۵. وہ اس سزا یافتہ شخص کے بیٹے سے بھی ایک اور ملک میں ملے؛ اور
۶. اس نے سزا یافتہ شخص کو خود اپنے ہی فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرنے میں مدد دی اور اسے اپنے فیصلے کی کمزوریاں بتائیں۔

فاضل جج کے اس انتہائی افسوسناک کردار کا جائزہ لینے کے بعد سپریم کورٹ نے قرار دیا ہے کہ اٹارنی جنرل نے یقین دہانی کرائی ہے کہ متعلقہ جج کی خدمات واپس لاہور ہائی کورٹ بھیجی جائیں گی اور سپریم کورٹ نے توقع ظاہر کی کہ لاہور ہائی کورٹ اس کے خلاف فوری انضباطی کارروائی کرے گی۔

آخر میں سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ میاں صاحب کی سزا پر اس ویڈیو کے اثرات پر وہ اس لیے بات نہیں کرے گی کہ اب یہ معاملہ مجاز عدالت (اسلام آباد ہائی کورٹ) کے سامنے زیرِ التوا ہے۔